سحرش بانو

یہ عید کتنی سعید ہے

کھڑکی کے کھلے پٹ سے چنکی، زینب اور مشی، دروازے میں تو کبھی اندر اور تو کبھی باہر والی حالت میں کھڑی لُطف بتول کے چہرے سے چھلکتے تجسس اور بے چینی کے برعکس اس کا شفاف گلابی چہرا کوئی تاثر ظاہر کیے بالکل سکون میں تھا۔ ڈائجسٹ کا آدھا حصہ ہاتھ میں لیے وہ مکمل طور پر اس میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے ارد گرد کے ماحول سے بھی بے نیاز تھی۔ کمرے میں موجود باقی لڑکیوں کے چہروں پر سامنے سے آتی صبا کو دیکھ کر ذرا سکون آیا تھا۔ ساتھ ہی اس سے جلدی جلدی سب سن لینے بلکہ اگلوا لینے کی بھی جلدی تھی۔

"ہیپننگ قسم کی نیوز ہے یار!" کمرے میں قدم رکھتے ہی اس نے اعلان کیا تھا پھر لُطف بتول کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کیا تھا۔ ایشل ابھی رسالہ چٹائی پر رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"اب بک بھی چکو۔" صبا کے ارادتاً قسم کے طویل خاموشی کے وقفے سے اکتاتے ہوئے اس نے جمائی لیتے ہوئے گھورا تھا۔

"تو بات دراصل پچھلے چند روز سے جاری گھر کے تمام بڑوں کے درمیان خفیہ میٹنگ کا نتیجہ سامنے آچکا ہے۔"

ناولٹ

"وہ کیا؟" لڑکیوں کا تجسس سے برا حال تھا۔

"یہی تو مسٹرز سا سمین!"

"وہ کون ہیں؟" مشی نے حیرت سے ارد گرد دیکھا تھا۔

"کون؟" لُطف بتول نے پوچھا۔

"مسٹرز سا سمین۔"

"اف! تمہیں کیا ہے ایڈیٹ" صبا نے سر پیٹا تھا۔

"اوہ اچھا۔" اس نے سکون کا سانس بھرا تھا۔

"یہی تو جناب گھر کے تمام بڑوں اور سر کردہ افراد کا خیال ہے اور بہت ہی نیک خیال ہے کہ اس گھر کی ینگ جنریشن اس قابل ہو گئی ہے کہ اس کی شادی خانہ آبادی۔" "دراصل بربادی۔" ایشل نے لقمہ دینا ضروری سمجھا تھا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

"نیکو مت۔" صبا نے اسے گھوری سے نوازتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"سوچنا چاہیے اس لیے تمام بزرگوں نے صلاح مشورے کے بعد شادی کے قابل تمام افراد کی قسمتوں کے فیصلے کر دیے ہیں۔" یہاں آ کر اس نے ذرا توقف لیا تھا۔

"ہم سب پہلے سے جانتے ہیں۔ تمہیں خبر بتانے کے لیے بھیجا تھا۔" نفسہ بتول نے بے زاری سے کہا تھا۔

"ہاں تو دل تھام کے بیٹھیے۔ آنسہ زینب عثمان کے لیے محترم شاہ نواز کو چنا گیا ہے۔" جس نے اصلی اور اہم خبر نشر کرنا شروع کی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے تو نے مجھے ان رشتوں کی متوقع والدہ ہونے سے بچالیا۔" سب کے رد عمل سے پہلے ایشاع نے شکر ادا کرنا ضروری سمجھا تھا مگر یہ بات ان رشتوں کی متوقع والدہ کو کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی تب ہی تنک کر اسے کشن سے مارا گیا تھا جو اسے تو نہیں البتہ دروازہ کھول کر اندر آتی چاچی امی کے سر پر کسی ڈرون کی طرح لگا تھا۔ وہ بے چاری اس افتاد کے لیے کہاں تیار تھیں۔ چکرا کر رہ گئیں۔ اور پھر جو انہوں نے زینب عثمان صاحبہ کی خبر لی اللہ دے اور بندہ لے۔

"ہاں آگے بولو۔" ان کی تمام تر ڈانٹ شرافت سے سن کر ان کے جانے کے بعد نفسہ بتول نے بے چینی سے پوچھا تھا۔ اسے نجانے کیا خطرہ کھائے جا رہا تھا۔ "آنسہ کشفی زبیر کو جناب عمیر فاروق کے پلے باندھا جائے گا۔"

"یا اللہ میں کس منہ سے تیرا شکر ادا کروں کہ تو نے مجھے کن کٹے عمیر کی بیگم کہلوانے سے بچالیا۔" ایشاع زبیر نے اب بھی شکر ادا کرنا ضروری سمجھا تھا مگر اس بار دوسری طرف سے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کیا گیا تھا "اور محترم بلال فاروق کے لیے خنسا پھپھو کی لاڈلی نفسہ بتول کو چنا گیا ہے۔" خبر کا اگلا حصہ نفسہ بتول کے لیے اطمینان کا باعث تھا سو طمانیت بھری مسکراہٹ اس کے گلابی لبوں پر پھیل گئی۔

"یا مولا میں کس طرح سے تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں کہ تو نے مجھے انسپکٹر چنچل طور سے بچالیا۔"

ایشاع بد تمیزی کی لن ترانیاں جاری تھیں۔

"بکواس مت کرو ایشاع کی بچی۔" نفسہ بتول نے فوراً ایک سال کی بڑائی کا فائدہ اٹھایا تھا چہرے پر سکون اور تفکر کے احساسات لیے اس نے فوراً سر قلم کیا۔

"اور تمہارے لیے کیا فیصلہ کیا گیا ہے؟" اپنا اطمینان کر لینے کے بعد منشی نے صبا سے پوچھا۔ "رہی گی تو کچھ لیں گی بھی۔ یہ میرا نہیں پھپھو کا اپنا بیان ہے۔"

منشی کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے صبا نے کہا۔ وہ جو ادھر ادھر جھکی بیٹھی تھیں ایشاع تو یا اللہ سیدھی ہو کے بیٹھی گئی۔

"یا اللہ خیر!" اور دعا بھی لبوں پر جاری تھا۔

"آپ میرے جیسی خوب صورت 'انٹیلی جینٹ' سگھڑ' خوش اخلاق لڑکی کے ہوتے ہوئے ان کی نظر انتخاب کسی اور پہ کیسے پڑ سکتی تھی۔ انہوں نے خود محبت سے مجھے مانگا ہے۔" صبا نے اترا کر کہا تھا۔ تو اس کا اب تک کا رکا سانس بحال ہوا۔

"باوجود تمہارے بیان پر انتہائی شدید اعتراض کے میں ابھی خبر سنانے پر تمام اعتراضات حق سے اٹھا لیتی ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا پھر دونوں ہاتھ بلند کیے۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے کہ۔"

"ہاں۔ تمہارے نصیب سے ہاتھ اٹھا کر اسے تو کہا تھا۔"

"تو کیا میں بعد میں ادا کر لوں گی۔" وہ بھی فوراً راضی ہوئی تھی۔

"اب بچے کون کون بچا ہے۔ محترمہ ایشاع زبیر اور محترم شہزار حسن۔"

"اوہ اچھا شکر ہے کہ کسی کی قسمت تمہارے جلاد حسن کے ساتھ نہیں پھوٹی گی۔" وہ جاتے جاتے بھی

"ہاں مگر ان کی قسمت ضرور کسی کے ساتھ پھوٹی

"گئی ہے۔" صبا نے بازو لپیٹے معنی خیز سی نظر اس پر ڈالی۔

"کس کے ساتھ؟" فضہ بتول کو جاننے کی بہت جلدی تھی۔

"ایشال زبیر کے ساتھ۔" صبا نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"کیا؟" ان تینوں کو ہی حیرت کا جھٹکا لگا تھا مگر صبا کے پاس غور کرنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ تو حیرت سے ایشال زبیر کے سفید پڑتے چہرے اور تیزی سے نفی میں ہلتے سر کو دیکھ رہی تھی۔

سنی شہریار سے اس کی بے تحاشا محبت۔ ان چاروں کو پتا تھا وجہ کہیں نہ کہیں شہریار حسن بھی تھا مگر غلط تھیں۔ یہ ایشال زبیر کے ردعمل نے بتا دیا تھا۔

○ ○ ○

اگر آنسہ ایشال کو کھڑوس شہریار حسن سے شادی پر اعتراض تھا تو محترم شہریار حسن کو بھی بدتمیز اور بگڑی ہوئی (بقول شہریار حسن کے) ایشال سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ عمرین کی بے وفائی کے بعد اس نے شادی جیسا تجربہ دوبارہ نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ پہلا تجربہ ہی بہت تلخ اور ناکام ثابت ہوا تھا مگر اماں ابا کی ہزار کوششوں، منتوں اور دلیلوں کے بعد وہ بمشکل ہی سہی مگر شادی پر رضامند ہوا تھا مگر ایشال زبیر ہرگز نہیں، کبھی نہیں اس کا فیصلہ قطعی اور دوٹوک تھا۔ یہاں پھر اماں ابا آگے آ گئے تھے۔

"اماں میں کسی سلجھی اور سمجھدار سی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جب کہ ایشال میں ابھی تک بچپنا ہے۔ کچھ آپ سب کے لاڈ پیار نے اسے مزید بگاڑ رکھا ہے۔" اس نے اپنے اعتراضات سامنے رکھ دیے تھے۔

"جب شادی کی ذمہ داری پڑے گی تو خود بخود سنجیدگی آ جائے گی لاپروائی بھی سلجھنے میں بدل جائے گی اور سب سے اہم بات اب تم اکیلے نہیں ہو شہریار، سنی بھی ہے تمہارے ساتھ۔ مسئلہ اور اس کی محبت کی صورت ہے۔ بالفرض ہم باہر سے کوئی لڑکی تمہاری بیوی بنا کر لے آتے ہیں اور وہ سنی کو ماں کا پیار نہ دے سکی تو پھر۔ تو تمہیں پتا ہو گا کہ ایشال سنی سے بہت محبت کرتی ہے اور وہ بھی بنا کسی غرض کے یا کھوٹ کے۔"

ان کی اس بات پر وہ خاموش ہو گیا تھا کہ واقعی پانچ سال پہلے جب عمرین کے جانے کے بعد وہ تین سالہ سنی کو لے کر انگلینڈ سے لوٹا تھا تو ایشال ہی تھی جس نے سنی کو سنبھالا تھا۔ سنی جو ہر وقت ماں کے لیے رو رو کر "بلکتا رہتا تھا۔ اس ماں کے لیے جس نے اسے اپنی آزادی کی راہ میں رکاوٹ سمجھا تھا اور جاتے ہوئے باپ کے پاس ہی چھوڑ گئی تھی۔ ایشال نے بہت اچھے سے سنبھالا تھا اسے اور سنی اس کی تو جان تھی ایشال آپی میں۔ ایک پل وہ اس کے بغیر نہیں رہتا تھا اور پھر ان ہی دنوں ہونے والے ایک اور واقعے نے بھی اسے ایشال سے شادی کے لیے رضامند ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

"تقریباً" ایک ماہ پہلے کی بات تھی جب اماں نے اس سے ایشال کے بارے میں رائے پوچھتے پھر سمجھاتے ہوئے سوچنے کا وقت دیا تھا۔ زبیر چاچو کے دوست اپنے بیٹے کے لیے ایشال کا رشتہ لائے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں تھا جب دروازہ کھول کر سنی دبے پاؤں اندر آیا تھا۔

"پاپا! چھوٹے دادا کے فرینڈ ایشال آپی کا پرپوزل لے کر آئے ہیں۔" آٹھ سالہ سنی اس کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا۔

"ہوں!" اس نے سر ہلایا تھا۔

"پھر ان کی شادی چھوٹے دادا کے فرینڈ کے بیٹے سے ہو جائے گی؟" پہلے سوال کا جواب ملتے ہی اس نے اگلا سوال کیا تھا۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔" سنی کو جواب دیتے اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کرنا شروع کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

"تو پھر وہ یہاں سے چلی جائیں گی۔ یہیں پاپا؟"
اس نے ایک الجھی ہوئی نظر سنی پر ڈالی جو کچ سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔
"تو پھر میں ان کے بغیر کیسے رہوں گا پاپا؟" منہ بسور کر بہت دکھ کا سوچتے اس نے پوچھا تھا۔ وہ جواباً خاموش رہا تھا۔
"پاپا آپ ایشاع آپی سے شادی کرلیں تا کہ وہ ہمیشہ یہیں رہیں گی۔" سنی نے پرجوش سا ہو کے اپنے تئیں بڑا مفید مشورہ دیا تھا۔
"سنی!" برش رکھتے اس نے سنی کو تنبیہی لہجے میں پکارا تھا۔
"آئندہ میں ایسی کوئی بات نہ سنوں تمہارے منہ سے۔"
سنی خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ وہ اپنے پاپا سے ضد نہیں کرسکتا تھا ان سے بات نہیں منوا سکتا تھا مگر وہ اور بہت کچھ "کر سکتا تھا اور اس نے کہا تھا کہ اپنی ایشاع آپی کے لیے وہ کچھ بھی کرسکتا تھا۔

○ ○ ○

ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ چائے اور دیگر لوازمات سے ان کی خاطر تواضع کی جا رہی تھی جب وہ خاموشی سے اندر داخل ہوا تھا۔
"سنی ادھر آجاؤ بیٹا۔" نانی اماں نے فوراً پکارا تھا مگر وہ سنی ان سنی کرتا چھوٹے دادا کے فرینڈ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔ سب نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
"آپ ایشاع آپی کا پرپوزل لے کر آئے ہیں؟"
انہوں نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا تھا۔
"مگر ایشاع آپی کی شادی تو میرے پاپا سے ہوگی وہ میری نئی ممی بنیں گی۔" اس کی بات نے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے مہمانوں اور میزبانوں کے علاوہ اندر داخل ہوتے شہریار حسن کو بھی اپنی جگہ پتھر کر دیا تھا۔

○ ○ ○

اس نے سوئے ہوئے سنی پر نظر ڈالی، دائیں گال پر ابھی تک اس کی انگلیوں کے نشان واضح تھے۔ ہچکیوں سے ابھی تک سوالی اٹکے تھے آنسوؤں کے نشان اس کے سرخ اور سفید چہرے پر جم چکے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اس کے بال سنوار کے وہ کھڑکی میں آکھڑا ہوا۔ سگریٹ سلگاتے بکھرے بال، کنپٹیوں تک کف الٹائے گلابی ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ مضطرب کھڑا تھا۔
زندگی میں پہلی بار اس نے سنی پر ہاتھ اٹھایا تھا۔ اس نے بے اختیار اپنا دایاں ہاتھ جھٹکا جو اس نے سنی پر اٹھایا تھا۔ تب ہی اماں چلی آئی تھیں۔
"تمہیں کیا لگتا ہے شہریار اس مسئلے کا یہی حل ہے؟ ڈانٹ ڈپٹ، مار کٹائی... سب کرو تم مگر اس کے دل سے ماں کی خواہش ختم نہیں کرسکتے۔ تم اسے دبا سکتے ہو اس کی ماں کی ضرورت ختم نہیں کرسکتے۔"
اور آنے والے دنوں میں اس نے دیکھا کہ پہلے سنی اس کے ڈر کی وجہ سے خاموش ہوگیا تھا مگر اس کی شوخی، شرارت سب ختم ہوگئی تھی۔ اماں ابا کی رضا اور سنی کی خوشی کے لیے وہ یہ کڑوا گھونٹ بھرنے کو تیار ہوگیا تھا۔ اسے ایشاع زبیر سے شادی پر اعتراض نہیں تھا۔

○ ○ ○

اسے بھلے ایشاع زبیر سے شادی پر اعتراض نہیں تھا مگر ایشاع زبیر کو تھا اور بہت شدید تھا۔ تب ہی احتجاج کرنے اماں کے پاس چلی آئی تھی۔
"اماں! مجھے شہریار سے شادی نہیں کرنی۔" زیورات کے ڈبے کھولتی اماں ٹھٹکی تھیں۔
"اچھا تو پھر کس سے کرنی ہے؟" ساتھ ہی پوچھ بھی لیا تھا۔
اب کے وہ ذرا سنبھلی۔ "کیا مطلب اماں اب اگر شہریار سے نہیں کرنی تو اس کا مطلب یہ کہاں سے نکلا ہے کہ کسی اور سے کرنی ہے۔"
"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ساری زندگی اماں ابا کے سینے پر مونگ دلنی ہے۔" اماں بھی آخر اس کی اماں تھیں۔

"اماں!" وہ ٹھٹکی۔
"بس ابا! بس۔ وہ مشی بھی تو ہے۔ اس نے تو جیسے خوشی خوشی ابا کے فیصلے پر سر جھکا دیا۔ وہ سب تھے نا ایسی فرماں بردار اور ایک یہ نرالی ابا ہیں۔ سب بولا ہے مگر کان کھول کے سن لو ابا میں اس معاملے میں تمہارے باپ کی بھی نہیں سننے والی۔ غضب خدا کا اتنا اچھا سمجھا ہوا بچہ شہریار اور یہاں نخرے ہی نہیں ختم ہو رہے۔"
تب ہی ابا چلے آئے تھے۔ اماں کا جلالی انداز اور اس کی روہانسی صورت۔
"کیا ہوا؟ کیوں ڈانٹ رہی ہو میری بیٹی کو۔"
"ہاں وہ سامنے جلا دو ناں۔" اماں نے بات بنانے کی کوشش کی۔
"ابا! مجھے شہریار سے شادی نہیں کرنی۔" اس نے اماں کی کوشش پر پانی پھیرا۔
"تو ایسی بے تکی نہیں سیکھی؟" اماں کا بس نہیں چل رہا تھا اس بڑی قینچی سے اس کی زبان کاٹ دیں البتہ ابا نے مسکراتے ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا۔
"تو اب بولو بیٹا کیا ارادہ ہے شہزادی؟" جو دیکھتے ہی دیکھتے اماں اب مزید نہیں رکیں۔ وہ جلتی کلستی باہر نکل گئیں۔ ابا خاموش بیٹھے سارے اعتراضات سنتے رہے۔ وہ بولتے بولتے تھکی تو ایک سوال پوچھا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے ایشل! اس پوری دنیا میں تم سے سب سے زیادہ محبت کون کرتا ہے؟"
"آپ اور صرف آپ۔" اس کا جواب جھٹ سے حاضر تھا۔
"تو پھر میری پیاری بیٹی اطمینان رکھے کہ اس کا باپ ساری دنیا میں اس سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے، کبھی اس کا برا نہیں چاہ سکتا۔"
اب وہ اور کیا کہتی یا بولتی۔ سر جھکائے واپس آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے ہار مان لی تھی وہ شاہ ہاؤس کے مکینوں کو بھی نہیں سمجھا سکتی تھی سمجھاتی تو جب وہ کچھ سننے یہاں کوئی سننے کو تیار ہی نہیں تھا۔
"شہریار بہت سمجھا ہوا اور سمجھ دار بچہ ہے۔" یہ تایا ابا سے لے کر چھوٹے چچا تک سب کی متفقہ رائے تھی جس میں اختلاف کی گنجائش نہیں تھی۔ اسے اس جملے میں تینوں صفات پر اختلاف تھا کہ ایک سمجھا ہوا اور سمجھ دار بچہ کیسے ہو گا؟
"شہریار بہت پیارا بیٹا ہی نہیں بہت پیارا انسان بھی ہے۔"
یہ تائی اماں سے لے کر چھوٹی چچی سب کا ماننا تھا۔
بھلا نہیں وہ سراسر اس کی ہمیشہ جان جلاتا تھا۔ "شہریار بھائی بہت ہینڈسم اور اسمارٹ ہیں۔" یہ صبا، فضہ، مشی وغیرہ کا خیال تھا جس سے وہ چاہ کر بھی اختلاف نہیں کر پائی تھی۔
"اتنے اچھے اور پیارے ہیں شہریار بھائی کیا کمی ہے ان میں جو یوں منہ پھلائے پھر رہی ہو؟" مشی نے آج دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔
"میں نے کب کہا کہ کمی ہے اس میں تو زیادتی ہے۔"
"اچھا! کس چیز کی؟" مشی فوراً متجسس ہوئی تھی۔
"سڑیل، کھڑوس، بددماغ، مغرور، اکڑو، یہ وہ ساری خوبیاں ہیں جو تم سب کی نظروں سے ہمیشہ اوجھل رہی ہیں۔"
وضاحت نہیں کر رہی تھی اسے بتا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ان دونوں کے ہزار نہ چاہنے کے باوجود بھی انہیں ایک دوسرے سے منسوب کر دیا گیا تھا۔ شادی کے لیے تین ماہ کا وقت رکھا گیا تھا۔
منگنی کو ہفتہ ہو چلا تھا جب فیونہ پھپھو اور سمانہ مبارک باد دینے آئی تھیں۔ فیونہ پھپھو بہت مغرور اور بددماغ خاتون تھیں اور یہی خوبی ان کی اولاد میں بھی پائی جاتی تھی۔ پھپھو بڑی خواتین کے ساتھ تھیں

جب ساتھ لڑکیوں کے روم کی طرف بڑھی تھی۔ پہلی ڈی جیز سیڑھیاں اترتی ایشاع سے بی ہوئی تھی۔

"مبارک ہو ایشاع! آج تو تمہاری محبت رنگ لے ہی آئی۔"

"کیا مطلب؟" سینے پہ بازو لپیٹے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولتی ساتھ کو اس نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"مطلب سنی کے ساتھ اتنی محنت تم نے شہریار کو پانے کے لیے کی تھی۔ تو مبارک ہو تمہاری محنت ثمر بار ہوئی۔" نخوت سے کہتے اس نے ایشاع کو گھورا تھا۔

"ہاں بالکل! امرال سے ٹھیک لگے نہ اطمینان سے کہا ہوں۔ ویسے بھی اس کا ایک اصول تھا جو آپ سے پہلے اسے مزید جاننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ محنت میں عظمت اور حرکت میں برکت والے مقولے تو آپ نے سن رکھے ہوں گے۔"

"تو مطلب تم نے شہریار تک پہنچنے کے لیے سنی کو سیڑھی بنایا؟" وہ پھنکاری تھی۔

"جی بالکل! آپ کا اندازہ درست ہے۔" مسکرا کر کہتے وہ بے خبر تھی۔ اس کے الفاظ ساتھ کے ساتھ ساتھ شہریار نے بھی سنے ہیں۔

○ ○ ○

"شاہ نواز نے میرون کلر منتخب کیا ہے ویڈنگ ڈریس کے لیے۔" زینب نے جوس کے ڈبے سے بڑا سا گھونٹ لے کر سب کو مطلع کیا تھا۔ "بقول ان کے انہوں نے جب بھی تصور کی آنکھ سے مجھے دلہن بنے دیکھا، میرون کلر میں ہی دیکھا۔"

اترا کر کہتے اس نے سب پر نگاہ ڈالی تھی۔ خفت سے کچھ سب کی تلاش کو منہ میں ڈالتے ایشاع نے سر جھٹک کر خود کو میگزین میں گم کیا۔

"اور عصو کا تو بس کیسی چمکتا ویڈنگ ڈریس کے علاوہ بھی سارے ڈریسز پنک کلر میں ہوں گے۔" مشی نے بھی مسکراتے ہوئے عصو کی خواہش نشر کی تھی۔

"اور بلال نے گولڈن اور ریڈ کلر منتخب کیا ہے۔" کونے سے فضہ جنجل کی بھی شرمائی لجائی آواز ابھری تھی۔

"پتہ نہیں اور ایشاع شہریار نے کون سا کلر منتخب کیا ہے۔"

ساتھ نے بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ سب چونکے سر اٹھا کر اس نے ساتھ کو دیکھا تھا پھر مسکرائی۔

"شہریار کہتے ہیں میں جو بھی کلر پہنوں گی۔ وہ ہی مجھ پہ جچے گا کیوں کہ بقول ان کے انہیں لگتا ہے وہ کلر بنا ہی میرے لیے ہے۔"

ترنگ سے بولے جھوٹ نے ساتھ کے چہرے پہ غصہ تو سب کے باقی سب کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

○ ○ ○

اسٹیج پر موجود چاروں دلہنیں ہی بے حد پیاری لگ رہی تھیں۔ دولہا صاحبان کو ابھی تک اسٹیج پر ساتھ نہیں بٹھایا گیا تھا۔ چاروں میں سے تین کے چہرے پہ موجود انبساط و اطمینان کے رنگ بہ آسانی دیکھے جا سکتے تھے جب کہ چوتھی دلہن کچھ خاموش اور بے زار نظر آ رہی تھی۔

"آپی بری شکل بنا کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ میرا لگ رہی ہو۔"

زینب نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ وائٹ کلر کے ویڈنگ زیب تن کیے میں جس پر سلور کلر کا انتہائی خوب صورت کام ہوا تھا پہنے وہ حسن سے زینب کی طرف مڑی جو سامنے دیکھتی اب مسکرا رہی تھی۔

"اور میں تمہیں وارن کر رہی ہوں زینی خدارا شاہ نواز کے پہلو میں بیٹھ کر اتنی ویڈنگ لی ری سے دانت مت نکالنا بھی لگے گا۔ اور نہ بلال بھائی کے پہلو میں بیٹھے دانتوں والی چڑیل۔" اشعال نے فوراً حساب چکتا کر کے اس نے پھلجھڑی چھوڑی تھی۔

"قسم اللہ والی ایشاع! یہ جو تمہیں شہریار جیسے بندے کے پلے باندھا گیا ہے نا اس میں زیادہ حصہ تمہارے

"لوہی" بیٹے بولے "کوریٹی کا داری خاموش آنسوں کا ہے۔"

زینب کی بات نے اسے چند لمحوں کے لیے چپ کرا دیا تھا۔

○ ○ ○

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب وہ اپنے روم میں آیا تھا۔ اسے سو فیصد یقین تھا وہ اب تک چلی ہو گی کیوں کہ انتظار اور وہ بھی اتنا لمبا انتظار ایمان زبیر کے بس کی بات نہیں تھی مگر خلاف توقع وہ انتظار کر رہی تھی۔ وہ سیدھا بیڈ کی طرف ہی گیا جہاں سرہانے وہ بیٹھی تھی۔ ایمان کی طرف دیکھے بغیر اس نے اپنا سا جھکتے رسٹ واچ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی۔ پھر جیب سے سگریٹ کا پیکٹ اور موبائل نکالا اور فریش ہونے چل دیا تھا۔

"مجھ سے شادی کا اتنا ہی شوق تھا تو خود مجھ سے کہتے۔ سنی کو استعمال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

تب سیدھا ہو کر لیٹتے اس نے سرسری نظر اس کے بنے سنورے روپ پر ڈالتے کہا تھا۔ ایمان نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

"آپ کو کیوں لگا سنی کو میں نے نہیں آپ نے استعمال کیا۔ مجھ سے شادی کرنے کے لیے۔" وہ تڑخی تھی۔

وہ ہنسا۔ "تمہیں کوئی ایسی غلط فہمی کس بنا پر؟"

"اور آپ کو اتنی خوش فہمی کس بنا پر اور جہاں تک شادی کا تعلق ہے۔ مجھ میں ایسی کوئی کمی نہیں جو مجھے شادی کرنے کے لیے کسی کا سہارا لینا پڑے۔"

اپنی بات مکمل کر کے وہ بیڈ سے اتر گئی تھی۔

ڈنر کے بعد سارے کھلا اہل ہوٹل کے لیے نکل چکے تھے۔ شہریار نے کام کا بہانہ کر کے جانے سے معذرت کر لی تھی۔

وہ نہا کر نکلا تو وہ سنی کو ریڈی کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی تیار ہو چکی تھی۔ وہ سنی کے اسکول میں ٹیچر تھی۔

"سنی! اپنی مما سے کہو اب انہیں مزید جاب کرنے کی ضرورت نہیں۔" ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے سنی سے کہتے در پردہ اسے حکم سنایا تھا۔ وہ تلملا کر رہ گئی۔

"سنی! اپنے پاپا سے کہو میں پہلے بھی یہ جاب کرتی تھی اب بھی کروں گی۔"

وہ اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتا تو وہ کون سا مری جا رہی تھی۔

"سنی! اپنی مما سے کہو کہ پہلے کی بات اور تھی اب وہ کوئی اکیلی تنہا نہیں شادی شدہ خاتون ہیں، بہتر ہو گا اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالیں۔"

خود پر پرفیوم اسپرے کرتے اس نے استہزائیہ لہجے میں کہا تھا۔

"سنی! اپنے پاپا سے کہو کہ ..... بس مجھ کسی کی بات شہریار نے ماننے کا اقرار کر لیا تھا۔"

"سنی! اپنی مما سے کہو مجھے بحث پسند نہیں۔" لیفٹ ڈیش لٹ شوربات مکمل کرتا باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے اس کا غصے سے برا حال تھا۔

"سنی! تمہارا ستیاناس۔"

"ممی بینڈ سم لگ رہے ہیں۔ بس وہی بینڈ سم تھا اور علی بھی کیا کہتے ہیں۔"

سنی کے چہک کر کہنے پر وہ بہت کچھ کہتے کہتے رکی تھی بمشکل خاموش رہی تھی اور پہلا خیال تھا اور علی کا دماغ ٹھیک کرنے کا ہی آیا تھا۔

○ ○ ○

اس نے دو کپوں میں چائے نکالی پھر کپ ٹرے میں رکھ کر لاؤنج میں آ گئی تھی جہاں تایا ابا اور شہریار ٹاک شو بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ تایا ابا کو کپ پکڑا کر اس نے ٹرے شہریار کے آگے کی تھی۔

"نو تھینکس!" اس نے کندھے اچکاتے آرام سے کپ اٹھا کر صوفے پر بیٹھتے ہونٹوں سے لگا لیا تھا۔

"بیٹا شہریار کو بھی دی تھی۔" تایا ابا نے اس کی طرف دیکھا۔

دی تھی' انہوں نے تو تھینکس کہہ کر لوٹا دی۔"

"بیٹا! شہلیار اس وقت کلاس لیتا ہے۔"

"تو بتا دیتے نا پاپا! اب مجھے الہام تو نہیں ہوتے نا۔" بظاہر مسکرائی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! اب بتا دو۔" تایا ابا کے آگے کہتے اس کے اندر کڑواہٹ بھر دی تھی۔

"جی!" کہہ کر وہ اٹھنے لگی تھی جب شہلیار نے منع کر دیا تھا۔

"ضرورت نہیں پاپا! جب ہو گی۔ میں خود دے دوں گا۔"

وہ "مائی فٹ" کہہ کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ گلاس ٹیبل پر لیپ ٹاپ رکھے کام میں بزی تھا جب سنی نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ سر اندر وہ عزیا ہوا پوزیشن میں چند لمحے کھڑے رہنے کے بعد اس نے دھڑ اندر کھینچا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا۔

"پاپا!" اس نے بہت میٹھے لہجے میں پکارتے اس کے دائیں طرف والی جگہ سنبھالی تھی۔

"ہوں!" کی بورڈ پر تیزی سے چلتی انگلیاں صرف ایک سیکنڈ کو رکی تھیں۔

"یو نو پاپا! آج آپ بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔"

"اچھا!" کہہ کر اس نے ایک نظر سنی پر ڈالی اور دوبارہ اپنے کام میں بزی ہو گیا تھا۔ "کل عزہ اور علی بھی کہہ رہے تھے کہ تمہارے پاپا بہت ہینڈسم ہیں۔ میں نے کہا، آخر پاپا کس کے ہیں۔ میں نے رائٹ کہا نا پاپا؟" معصومیت بھری آنکھیں شہلیار پر تھیں۔

"رائٹ!" کام میں مصروف وہ اس کے سوالوں کے جواب دے رہا تھا۔

"اور میں نے ان سے کہا میرے پاپا صرف ہینڈسم اسمارٹ ہی نہیں بہت اچھے بھی ہیں۔"

اب کی بار شہلیار نے ہاتھ روکا تھا صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس کی خوشامد کی وجہ جاننا چاہ رہا تھا۔

"اور یہ کہ میرے پاپا مجھے میری فیورٹ اسٹوری بکس لا کر دیتے ہیں۔ اور کارٹونز سی ڈیز بھی۔ میرے ساتھ کرکٹ کھیلتے ہیں اور مجھے آئس کریم کھلانے لے جاتے ہیں۔ میں نے ٹھیک کہا نا پاپا؟" روانی سے بولتے اس نے دوبارہ تصدیق چاہی تھی۔

شہلیار نے ہلکا سا سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"تو آئس کریم کھانے چلیں پاپا؟" شہلیار کی مسکراہٹ اس نے فوراً "کیش" کروانی چاہی تھی۔ شہلیار نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"آج موسم کتنا پیارا ہے نا پاپا؟" سنی نے ہمت نہیں ہاری تھی۔

شہلیار نے پھر سے سر کو اوپر نیچے جنبش دی تھی۔

"تو چلیں پھر؟"

شہلیار نے نفی میں سر ہلایا۔

"پاپا پلیز۔"

"سنی بس۔" اب کی بار اس کا انداز تنبیہی تھا۔ سنی چند سیکنڈ خاموش سا اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ مڑا تھا۔

"بے شک میرے پاپا مجھے کارٹونز سی ڈیز اور اسٹوری بکس نہیں لا کے دیتے۔ میرے لیے مزے دار ڈشز نہیں بناتے، کرکٹ بھی نہیں کھیلتے اور آئس کریم کھلانے بھی نہیں لے جاتے پھر بھی میرے پاپا سب سے اچھے پاپا ہیں۔"

وہ باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے وہ اس کے لفظوں پر غور کرتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے چند منٹ میں وہ سنی اور انشراح کو آئس کریم کھلانے لے جا رہا تھا۔ انشراح ہرگز نہیں جانا چاہ رہی تھی مگر سنی کی ضد اور تایا ابا کا اصرار اسے ماننا پڑا تھا اور اب فرنٹ سیٹ پر بیٹھی وہ خاصی کم

ہی تھی۔ شہلا یار بھی لب بھینچے ڈرائیو کر رہا تھا البتہ
ذہنی تناؤ سی خوب چمک رہا تھا۔
فوڈ کورٹ پہنچ کر وہ دونوں تو ادھر ادھر کی رونقوں
میں گم ہو گئے تھے۔ کمار شہلا یار نے ہی کیا تھا اور جب
ویٹر نے کافی کے تھیں پیالے میں ٹھنڈی میٹھی آئس
کریم لا کر ان کے آگے رکھی تو۔
اسٹرابری فلیور بھی بھی اس کا فیورٹ نہیں رہا
تھا۔
"پپا! آپ نے عما کے لیے اسٹرابری فلیور کیوں
منگوایا۔ انہیں چاکلیٹ فلیور پسند ہے۔" سنی نے
اس کے منہ کے بگڑتے زاویوں کو دیکھتے کہا تھا۔
"تو آپ کی عما کو بتانا چاہیے تھا اب مجھے الہام تو
نہیں ہوتے نا۔"
مسکرا کر کہتے اس نے اس کا قہقہہ بہت خوب
صورتی سے لوٹایا تھا۔
"کوئی بات نہیں پپا! آپ دوسرا فلیور منگوالیں۔"
سنی نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔
"اس لوکے سنی! میں یہی کھاؤں گی۔" بے دلی
سے چمچ اٹھاتے اس نے کہا تھا البتہ دل ہی دل میں شہلا
یار کو کوسنے کا سلسلہ جاری تھا۔

o o o

"یہی لالی! اتنی بور رات مجھے کبھی نہیں ہوئی تھی
جتنی اب ہو رہی ہے اور کیا کہتی ہیں یہ بیگمات کب
تک واپس آئیں گی۔" لالی کے پاس ان کے بیڈ پر
بیٹھتے اس نے اپنا رونا رویا تھا۔
"ابھی تو کچھ پتا نہیں ہے۔" انہوں نے ذرا کی ذرا نظر
اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔
"تو آپ کہیں بھی مشی سے کہ سمت ہو گیا گھومنا پھرنا،
بس اب واپس آنے کی کریں۔" آپ کی بار انہوں نے
گھورا ہے۔
"ہائے! میں کیوں کہوں! یہی تو گھومنے پھرنے کے
ساتھ وقت گزارنے کے دن ہیں اور تم نے کیا حال بنایا
ہوا ہے اپنا؟ لگتا ہے ہیں دن پہلے شادی ہوئی ہے

تمہاری آصف کہتی ہوں ابھی ہی بیگم کا منگتا بدلوانے"
لقب خدا کا نہ مہندی نہ چوڑی نہ زیور سے لگنے کا
احساس ہے۔ ہو اپنا اشتیاع خود کو بدلو۔"
"تو نہ خود کو بدلو؟ کس کے لیے مہندی چوڑی
چھنکاتی پھروں بجتی۔ خوشبوؤں میں بسی وہ ہوتی ہیں جنہیں
چاہا جائے' سراہا جائے یہاں تو نجانے بے خبری ہے"
بے نیازی ہے یا ناپسندیدگی؟"
وہ دیر تک کڑھتی رہی تھی۔

o o o

وہ لالی کے پاس بیٹھی تھی جب سنی بھاگتا ہوا آیا
تھا۔
"آپ کو پپا بلا رہے ہیں۔"
"کیوں مجھے؟" اسے حیرت نے گھیرا تھا۔
"تجھے کب عقل آئے گی ایشاع؟ شوہر وہاں اکیلا
بیٹھا ہے اور تجھے یہاں گپیں ہانکنے سے فرصت
نہیں۔" لالی نے فوراً لتاڑا تھا۔ "چل اب جلدی
جا۔"
"جا رہی ہوں لالی۔" جلدی جلدی الٹے سیدھے
سلیپرز اڑستے وہ چلی گئی تھی۔
وہ الجھا سا کھڑا تھا۔
"میری بلیو شرٹ کہاں ہے؟" اسے دیکھتے ہی سوال
داغا تھا۔ اب اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ کون سی
شرٹ؟ کیسی شرٹ؟
"مجھے کیا پتا' چندو کو پتا ہو گی۔" کہہ کر جانا چاہا تھا۔
"اچھا؟" اس نے پھر سے دیکھا تھا "بیوی تم ہو یا
چندو؟" تمسخرانہ لہجے میں دریافت ہوا تھا۔
"ہاں تو بیوی ہوں ملازمہ نہیں جو اس چندو کے
فرائض سرانجام دوں۔" تپ کر اس نے جواب دیا
تھا۔
"اچھا تو بیوی والے کون سے فرائض پورے کیے
ہیں تم نے؟" لہجہ صاف مذاق اڑاتا ہوا تھا۔
اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا وہ لب بھینچ گیا مگر اس
کی گہری آنکھیں خود پر بھی دیکھ کر سارے لفظ گڈمڈ ہو

Scanned with CamScanner

گئے تھے۔

"کمرے میں ڈھونڈ رہی ہوں۔" سٹپٹا کر کہتے وہ کمرے سے نکل گئی۔

چند لمحوں بعد وہ اس کی شرٹ تھامے کھڑی تھی۔

"یہ لیں۔" اس کی طرف دیکھے بنا اس نے شرٹ آگے کی تھی۔

"گڈ اور آئندہ کے لیے خود خیال رکھنا مجھے بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔" کہتے وہ چلا گیا تھا۔

"اور نہ دہرانے کی عادت نہیں ہے۔" اس نے سر جھٹکا تھا۔

۞ ۞ ۞

"اٹھو اور ناشتہ بناؤ۔"

وہ مندی مندی آنکھوں سے شاہ یار کو آفس جانے کے لیے تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔ رات دیر تک صبا سے بات کرنے کی وجہ سے وہ بہت دیر سے سوئی تھی۔ ابھی بھی آنکھ شاہ یار کی کھٹر پٹر سے کھلی تھی جب وہ ایٹم بم کی طرح اس کے سر پر پہنچا تھا۔

"کون؟" وہ جھٹکے سے اٹھی تھی۔

"اگر تمہارے علاوہ بھی یہاں کوئی ہے تو کم از کم وہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔"

ایک تو یہ جاہل ہے۔ کم از کم اس طرح کی زبان کے علاوہ بھی کوئی زبان استعمال کر لے۔

"اب اٹھو بھی۔ لیٹ ہو رہا ہوں میں۔" وہ اب اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"مما میرے لیے بھی پراٹھا اور چیز آملیٹ۔" سنی نے بھی فوراً فرمائش جھاڑی تھی۔ اس نے حتی المقدور اسے گھورا۔

کچن میں الٹے سیدھے ہاتھ چلاتے وہ چندو کو کوسنے میں مشغول تھی جو ان دنوں گاؤں اپنی بے بے سے ملنے گئی ہوئی تھی۔

"مما! جلدی کریں۔" سنی کی دہائی جاری تھی شاہ یار بھی نیوز پیپر کی شہ سرخیاں دیکھتا بار بار رسٹ واچ پہ نظر ڈال رہا تھا۔

"ناشتا تیار ہے سنی! اتنے اتاؤلے کیوں ہو رہے ہو۔" ہاتھ میں پکڑی ٹرے ٹیبل پر رکھتے اس نے سنی کو ادا سے گھورا۔ اس کے پاس غور کرنے کا ٹائم کہاں تھا۔ وہ تو حیرت بھرے تاثرات کے ساتھ پلیٹ میں نظر آتی کچھ مشکل سی کالی چیز کو گھور رہا تھا۔

"پاپا! یہ کیا ہے؟" ان ہی تاثرات کے ساتھ اس نے شاہ یار کی طرف دیکھا تھا۔

"بقول تمہاری آرٹسٹ مما کے اسے پراٹھا کہتے ہیں۔"

"اور یہ پھر آملیٹ ہو گا؟" سنی کی خود ساختہ سنجیدگی۔ شاہ یار کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا تھا۔ سنی بھی اب کھل کر اور بے فکر ہنس رہا تھا۔

"بدتمیز!" کوئلہ جلتی کلستی ایشاع زبیر نے نہ جانے یہ خطاب کسے دیا تھا۔

۞ ۞ ۞

"شکر ہے تم لوگوں کی واپسی تو ہوئی۔" ایشاع نے زیب کے بیگ کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد مونگ پھلی نکالی اور ٹک ٹک کھاتے کہا تھا۔

"اور ہمارے لیے مقام شکر ہے کہ محترمہ ایشاع زبیر کو ہماری قدر تو محسوس ہوئی۔" منشی نے لفافے میں ہاتھ ڈال کر ایک مونگ پھلی نکالتے زیب کو اشارہ کیا تھا۔

"ہاں بالکل۔" وہ فوراً متفق ہوئی تھی۔

"اچھا یہ بتاؤ کہاں کہاں گئیں، کیا کیا دیکھا؟" اس نے چھلکے منشی کی گود میں ڈالتے تجسس سے پوچھا تھا۔

"وہ ہم بتائیں گے، پہلے تم بتاؤ تم لوگوں کے حالات میں کچھ تبدیلی آئی کہ نہیں؟" ویٹنگ بیگ سے میک اپ کی چیزیں نکال کر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھتے زیب نے پوچھا تھا۔

"تبدیلی وہاں آتی ہے یار! جہاں محبت ہو اور ہمارے درمیان ایسا کوئی سین نہیں۔"

"ایک بات کہوں ایشاع۔" زیب سب چھوڑ چھاڑ اس کے قریب آئی۔ "بعض دفعہ محبت ہو گئی ہے کم

داری بے خبری اور لاپروائی کی دھند میں دکھائی نہیں دیتی۔ تم بھی اس گرد کو جھاڑ کے دیکھو ہو سکتا ہے اندر کہیں محبت موجود ہو۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

○ ○ ○

اس دنیا میں اگر کوئی چیز نعمت ہے تو وہ ہے بے نیازی۔ جب تک یہ نعمت اس کے پاس تھی مزے ہی مزے تھے۔ نہ پریشانی نہ فکر اور طلب اور اس کی دولت ملی تو نہ وہ سکون رہا نہ چین۔

کم بخت اس بیچی محبت کو ذرا سی لفٹ کیا کرا دی سر چڑھ کے ناچنے لگی اور من چاہا کول کسی شریر بچے کی طرح اس چیز کی امید رکھنے لگا جس کا خواب وہ سوتے میں بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ شاہ ویز کی محبت اور توجہ۔ عجب بے قراری تھی جو اس کے وجود سے آلپٹی تھی اور کسی پل قرار نہ لینے دیتی تھی۔ اس کا دل چاہتا کہ جائے اور کسی گرد و غبار لگے زیب شاہ نواز کو جس نے اس کی ہنستی مسکراتی زندگی میں بھونچال پیدا کر دیا تھا۔ مگر اس سے بھی کیا ہو جاتا؟ ان سارا الزام دھر جاتا۔ ڈانٹ ڈپٹ گلا پیار سب کر کے دیکھ لیا دل ہی لیا ہو وہاں جانا آسان جاتا تو دل کیسے کہلاتا؟؟

تنگ آکر وہ مشورے لینے پہنچی تھی۔ وہاں مشورے تھے مفت اور مفید اور کسی کو دینے ہوں تو بے شمار لاتعداد، تو بھیوں آجیب۔ وہ تنہائی میں بیٹھ کر سوچ رہی تھی۔

"تم منواؤ زیب جتاؤ احساس دلاؤ۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں عورت چاہے تو مرد کو مٹھی میں قید کر سکتی ہے۔ توجہ اور پیار سے اسے اپنا گرویدہ بنایا جا سکتا ہے۔ خدمت پیار، محبت، ایثار۔ عورت یہ سارے ہتھیار پکڑے تو کبھی ہار نہیں سکتی۔"

ادھر اس کے مشورے اسے دیکھتے ہی شروع ہو جاتے۔

وہ خاموشی سے سنتی جاتی۔

"ہاں!" وہ آنکھیں کھولے ہیڈ فونز سنبھالے بیٹھا تھا جب اس نے کپ نزدیک کیا۔

"رکھ دو۔" بنا اس پہ نظر ڈالے کہا گیا۔

"میں نے خود بنائی ہے۔" بتانا ضروری سمجھا۔

"اچھا، مگر تمہارے کے قتل بھی نہیں ہوگی۔"

شکریہ اور تعریف تو ایک طرف اس میں سوت بھی نہیں تھی۔

"جی نہیں، میں بہت اچھی بناتی ہوں۔" بہت مشکل سے اس کا کڑوا جملہ حلق سے اتارتے اس نے ساتھ ہی کہا تھا۔

"تو کہاں لیا اب میں کچھ کام کروں؟"

"شیور۔" وہ مسکرائی اور سید صاحب کے پاس رپورٹ دینے پہنچی تھی۔

"پہلے خود ہی تو جہ وہ بیوقوف بچ بچ بتانا آخری بار خبر کیسا ہوا تھا۔"

"کل شام کو کہیں؟" حیرت سے اپنی منی آنکھیں پھیلاتے اس نے پوچھا تھا تو دل چاہا اسے کھڑے کھڑے مرحومین کی فہرست میں شامل کر دے۔

"گڈ می! اطلبہ دیکھو اپنا تم سے بہتر کام والی ماسی بنا ہوگی۔" زیب نے جلاتے ہوئے کہہ کر اسے آئینے کے سامنے کھڑا کیا تھا۔

"نہیں یہ میں نہیں ہو سکتی۔" زیب کو گھورتے اس نے آئینے پر نظر ڈالی وہ زیب کے الفاظ پہ ہونے کی گواہی دے رہا تھا اس کے لبوں سے چیخ برآمد ہوئی تھی۔

"یہی تو میں کہہ رہی ہوں یہ تم نہیں ہو سکتیں۔ ایشال زبیر نہیں ہو سکتی ایشال زبیر تو کوئی اور تھی۔ ہر وقت تک سک سے تیار، چمکتی آنکھوں اور دمکتے چہرے والی۔ کہاں گم کر دیا ہے تم نے اسے؟"

زیب کے سوال نے اسے ٹھٹک جانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

○ ○ ○

"میں نے نیا ہیئر کٹ کروایا ہے کیسا ہے؟"

وہ بیڈ پہ نیم دراز کسی کتاب کی ورق گردانی میں

مصروف تھا جب ایشال نے اندر داخل ہوتے پوچھا تھا۔ "وہ پہلے والا اچھا نہیں تھا۔"

"کس نے کہا؟ اس میں کم از کم انسان تو لگتی تھیں۔"

"کیا مطلب اس میں چڑیل لگ رہی ہوں؟"

"خود شناسی اچھی چیز ہے۔" اطمینان بھرے لہجے میں کہہ کر اس نے سگریٹ سلگایا تھا۔

ایشال نے اس کے چہرے پہ مذاق کے تاثرات ڈھونڈنے چاہے مگر اسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔

○ ○ ○

ان ہی دنوں رمضان المبارک کا مہینہ آپہنچا۔ وہ سب دل و جان سے ان پرنور ساعتوں کو خوش آمدید کہنے کو تیار تھے۔ شاہ ہاؤس کی فضا بھی ان دنوں متبرک معطر سی رہتی تھی۔ خود وہ بھی اس بار بار زیادہ عقیدت سے روزے رکھنے اور عبادت کرنے میں مصروف تھی۔

دوسری طرف ان تینوں کے مشورے جاری و ساری تھے۔

"ہمیں تو وہی ایشال چاہیے جو پر اعتماد تھی۔ زندہ دل تھی۔ جسے چیلنجز قبول کرنے میں مزہ آتا تھا اور جس کے پاس جیتنے کے گر تھے۔"

آج زینب کا ہاتھ بٹانے کو صبا اور منشی بھی تھیں اس کی برین واشنگ جاری تھی۔ سنجیدہ افطاری کے بعد اس نے نماز تراویح ادا کی اور اس کے سر پہ آکھڑی ہوئی۔

"مجھے آپ کا وقت اور پیسے چاہئیں۔"

اس کا بزنس مین انداز شاہ یار کو ہلکی سی حیرت میں مبتلا کر گیا تھا۔

"کیوں؟" اس نے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"عید کی شاپنگ کرنی ہے۔"

"یہ لو۔" بیلوٹ اس کے آگے رکھ دیا تھا۔

"تم نے وقت بھی کہا ہے۔"

"وہ نہیں ہے میرے پاس۔" صاف کورا جواب دو ٹوک انداز۔

"تو پھر کس کے ساتھ جاؤں میں؟" ابرو اٹھا کر اس نے سوال کیا تھا۔

"اس گھر میں بہت سارے لوگ رہتے ہیں۔ کسی کے بھی ساتھ چلی جاؤ۔"

سکون بھرے انداز میں دیا گیا مشورہ اسے چھری کی طرح لگا تھا۔

"میں ان سب کی نہیں آپ کی بیوی ہوں۔ اور آپ کے وقت پہ میرا بھی حق ہے اور دوسری بات میں اگر جاؤں گی تو آپ کے ساتھ ہی ورنہ نہیں جاؤں گی۔"

اس کے اٹل انداز پر وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

○ ○ ○

"کہاں تھے آپ؟" وہ خاصا لیٹ واپس آیا تھا کب سے محو انتظار ایشال نے فوراً اسے پوچھا تھا۔

"کیوں؟ اور یہ کون سا طریقہ ہے سوال کرنے کا؟" ذرا غیر جذباتی نظروں میں سکتی گئی۔

"وہ مجھے آپ سے ضروری بات کرنی تھی۔" اب کچھ ٹوکتا تھا۔

"تو چلو وہ ضروری بات ابھی کرلیتے ہیں۔" وہ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا ہوا تھا بٹھا کر اسے بھی سامنے بٹھا لیا تھا۔

"ہاں اب بولو۔" اس کے صبیح چہرے کو دیکھتے شاہ یار نے پوچھا تھا اور اسے یوں یک ٹک اپنی طرف دیکھتے پاکر اسے جو یاد تھا وہ سب بھی بھول گیا تھا۔ "ہاں وہ میں نے پوچھنا تھا کہ یہ برف سفید ہی کیوں ہوتی ہے سیاہ کیوں نہیں؟" (لعنت تیرے پہ) اس نے بنا چھوئے اپنا ماتھا پیٹا تھا۔ یہ خواہش میں الٹا سیدھا ہی منہ سے نکلا تھا۔

"اور یہ جو مجھے دنیا کی سب سے بے وقوف اور احمق لڑکی سمجھتا ہے تو میں نے آج خود ہی اس کے اندازوں کی تصدیق کردی۔"

"ہوں سوال تو غور طلب ہے۔ سوچتے ہیں اس پہ

ہی گر رائے کرم تھے ان پر زیادہ جو جو مست واشد۔"
کانپتی پوروں سے اس کا گال تھپتھپاتے وہ اٹھ گیا تھا۔ وہ خود کو ستی رہ گئی تھی۔
تایا ابا اور شاہ یار عشاء کی نماز پڑھ کر واپس لوٹے تو انہوں نے اسے اسٹڈی میں بلوا لیا تھا۔
"جی ابا!" وہ نماز والی ٹوپی سر سے اتارتا ان کے سامنے آ بیٹھا تھا۔
"بیٹا میری بات پوری توجہ اور غور سے سننا شاہ یار! یہ رشتے صرف بنانا اہم نہیں ہوتے انہیں نبھانا بھی اہم ہوتا ہے پوری ایمان داری اور سچائی کے ساتھ۔ میں جانتا ہوں بیٹا من چاہے رشتوں کے مقابلے میں ان چاہے رشتوں کو نبھانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہر قدم پہ پل صراط پہ چلنے کا گمان ہوتا ہے، ننگے پاؤں کانٹوں پہ چلنا اتنا ہی تکلیف دہ اتنا ہی مشکل ہوتا ہے۔ من چاہے رشتوں کے لیے انسان اپنی جان بھی قربان کر دے اور اف تک نہ کرے۔ ان چاہے رشتوں کے لیے سوئی برابر قربانی بھی قیامت جھیلنے کے مترادف لگتا ہے مگر بیٹا اصل قربانی بھی تو وہی ہوتی ہے نا۔ وہ بیوی ہے تمہاری، تمہاری محبت توجہ کی سب سے زیادہ حق دار، تمہاری سب سے بڑی ذمہ داری۔ کچھ فیصلے غلط ہوتے ہیں مگر ہو جاتے ہیں تو انہیں نبھانا پڑتا ہے۔ میاں بیوی کے رشتے کی بنیاد ان ہی چند چیزوں پر ہوتی ہے محبت، بھروسا، اعتبار اور احساس۔ یہ چیزیں اسے دو گے تبھی یہ رشتہ مضبوط ہوگا، یہ گھر مضبوط ہوگا۔ ہم تمہارے خیر خواہ ہیں بیٹا اور تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔"
تایا ابا اب خاموش تھے وہ ابھی بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔

○○○

رمضان المبارک کے پہلے دو عشرے گزر چکے تھے۔ تیسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا۔ آج آفس سے جلدی آ گیا تھا۔ لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو

ایشل کی آواز پر رکا تھا۔
"ایک اچھا شوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی بیوی کو چاہے، سراہے، اس پہ توجہ دے۔"
ایشل کے الفاظ سے وہ چاروں شانے چت تھا اس نے خاموشی سے سنا تھا اور پلٹ گیا۔

○○○

اس کی نظریں کتنی دیر سے ایشل پر تھیں جو بہت خشوع و خضوع سے نماز پڑھ رہی تھی۔ نماز پڑھ کے وہ مصلے سے اٹھی تھی۔
"تم نے دعا کیوں نہیں مانگی؟" وہ اچانک سی پوچھ بیٹھا۔
"مانگنے سے ہر چیز کہاں ملتی ہے۔" وہ نہایت سے کتنی مسکرائی۔
"یقین اور صبر سے مانگو تو مل بھی جاتی ہے۔" شاہ یار کے نرم لہجے پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

○○○

وہ سب خنساء پھپھو کے گھر افطار پر مدعو تھے۔ جامنی رنگ کے لباس میں سلیقے سے بندھے بالوں اور ہلکا پھلکا سا میک اپ وہ نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ تب ہی شہریار حسن کی نظریں بھی بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

"کیا ضرورت تھی وہاں ٹکٹکیوں کی طرح مجھ پر نظر جمانے کی۔ کیا سوچتے ہوں گے سب؟" واپسی پہ گاڑی میں اس نے نخوت سے اعتراض اٹھایا تھا۔

"بٹ ماما کل تو آپ کہہ رہی تھیں تمہارے پاپا ست مزاج ہیں۔ کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور آج کہہ رہی ہیں کہ کیوں دیکھا۔" منی نے بہت غلط ٹائم پہ حملہ چھوڑا تھا۔

(اللہ تجھے تو گھر جا کے پوچھتی ہوں میں)

"اچھا؟" شہریار نے ایک معنی خیز سی نظر اس پہ ڈالتے منی سے مزید اپنے بارے میں اس کی گوہر افشانیوں کا پوچھا تھا۔ وہ بے بس سی بیٹھی منی کی لن ترانیاں سن رہی تھی جو جوش میں ہوش کھونے اس کے سارے راز افشا کرنے کے درپے تھا۔ گدھا!

○ ○ ○

وہ لپ جھپ تھامے سیڑھیاں چڑھتا ٹیرس پہ گیا تھا۔ آج چاند رات متوقع تھی۔ ٹیرس پہ پہلے ہی سے کسی کی موجودگی نے اسے ٹھٹک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ تو سب کو نیچے خوش گپیاں کرتے ہوئے چھوڑ گیا تھا۔

ایک قدم آگے بڑھا تو سفید آنچل لہراتا نظر آیا۔ وہ بالکل اس کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ دور آسمان پہ نظریں ٹکائے کسی اور جہاں میں کھوئی ہوئی تھی۔ جب ہی اس کی آمد سے بے خبر رہی تھی۔

"ایشل!" بہت نرم لہجے میں اس نے پکارا تھا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور نجانے کتنے سارے آنسو پلکوں سے ہوتے گالوں پر چھلک گئے۔

وہ اسے سامنے دیکھ کر خاصی نروس ہوئی تھی پھر ایک ہاتھ سے چہرہ صاف کر کے واپس جانے کے لیے مڑی تھی۔ اور کسی دل کے قریب انسان کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے شہریار حسن نے زندگی میں پہلی بار جانا تھا۔

اور یہ ٹھیک ایک گھنٹے بعد کا منظر تھا جب چاند نظر آ چکا تھا اور سفید رنگ کے کاٹن کے لباس میں ملبوس شہریار حسن اور بلیک ساڑھی میں کھڑی ایشل شہریار گاڑی میں بیٹھے ڈنر کے لیے جا رہے تھے۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" شہریار نے ذرا سا اس کی طرف جھکتے کہا۔

"آج یہ انقلاب کیسا؟ پہلے ساتھ ڈنر اور شاپنگ کی آفر اور اب تعریف۔" وہ مشکوک ہوئی تھی۔

"میں ایک اچھا شوہر بننے کی پریکٹس کر رہا ہوں یار۔" وہ مسکراہٹ دبائے بتا رہا تھا۔

اس نے اچنبھے سے شہریار کی طرف دیکھا تھا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا اچھا شوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی بیوی کو دکھتا ہے اس پہ توجہ دیتا ہے اسے سراہتا ہے۔ اس سے محبت کرتا ہے۔ پہلی تین کے لیے تھوڑی محنت کرنا پڑتی مگر چوتھی تو خود بخود ہی ہوگئی۔ محبت کی بات کر رہا ہوں یار۔ اور مجھے یقین ہے۔ آنے والا دن اور گزرتے لمحے اس میں اضافہ ہی کریں گے۔"

اپنے سامنے موجود شخص کے الفاظ اسے عجیب طرح کی خوشی دے رہے تھے۔ عجیب طرح کے سرور سے آشنا کر رہے تھے۔

"کیا تم میری محبت کو قبول کرتی ہو ایشل شہریار حسن؟"

اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، وہاں آس تھی وہ کیسے اس آس کو توڑتی وہ بھی تب جب اسے خود اس شخص سے بے پناہ محبت ہو گئی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا اور اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ عید کل تھی مگر ایشل شہریار کے لیے تو اب ہر دن ہر شب عید سعید تھا۔

Scanned with CamScanner